حقیقتِ نفاق

منافقین کی صفات اور ان کی اقسام

از جناب مولوی صدرالدین صاحب اصلاحی

(۲)

جہاد کا میدان قوتِ ایمانی کی سب سے کڑی آزمائش گاہ ہے، جہاں منافق کے لیے اپنے رنگ باطن کا چھپانا یکسر ناممکن ہو جاتا ہے۔ منافقین کا یہ گروہ، جس کا ذکر مندرجہ بالا آیات میں ہے، ہر موقع پر اپنے آپ کو چھپانے میں کچھ نہ کچھ ضرور کامیاب ہو جایا کرتا تھا، اسلامی معاملات پر ایمان و اخلاص کا پیکر بن کر آتش بیانیاں بھی کر لیتا تھا مسلمانوں کی قومی فلاح کے لیے تجاویز بھی پیش کیا کرتا تھا موقع بموقع جیب کے چند سکے بھی "راہ خدا" میں صرف کر دیا کرتا تھا اور کسی نہ کسی طرح نمازیں بھی پڑھ لیا کرتا تھا لیکن جب خدائی احکام ان کی جانوں کا مطالبہ کرتے، وہ وقت اس کے لیے بڑا سخت ہوتا۔ جس دنیا کے عشق میں اس نے دین اور حق اور اپنے ضمیر کو بیچا تھا اگر اسی کی نذر مانگی جائے تو وہ اسکو کیسے گوارا کر سکتا تھا۔ نتیجہ یہ ہوتا کہ ادعائے ایمان کا راز فاش ہو جاتا اور لاکھ زیر نقاب ہونے کے باوجود بے نقاب ہو کر رہتا۔ عالم الغیب بار بار قتال کا حکم دیکر، نیز بعض اوقات مسلمانوں کی جماعت کو شکستیں کھلا کر ایسے تمام فریب کاروں کی اصل تصویر کو برملا عریاں کرنے اور انھیں مسلمانوں کی جماعت سے علٰحدہ کر دینے پر تُلا ہوا تھا۔ چنانچہ جب جب حکم قتال نازل ہوا، ان منافقوں نے کوئی نہ کوئی بہانہ ضرور تلاش کیا۔ پھر جب مسلمان لڑ کر واپس آتے تو یہ لوگ اپنی عدم شرکت کے لیے معذرتیں پیش

کرتے اور قسمیں کھا کھا کر اپنے حسنِ باطن کا یقین دلانے کی سعی کرتے۔ غزوہ احد کے سلسلے میں ان عیاروں اور دنیا کے پرستاروں نے منافقت کا جو پارٹ ادا کیا سینئے قرآن اس کا تذکرہ کن لفظوں میں کرتا ہے۔

"دونوں جماعتوں کی (یعنی مسلمانوں اور کافروں کی) مڈبھیڑ کے دن (غزوۂ احد کے وقت) تمہیں جو کچھ نقصان اور ہزیمت اٹھانی پڑی وہ اللہ کے حکم کے مطابق تھی اور اس غرض سے تھی کہ (ہم تمہیں آزمائیں) اور معلوم کریں (یعنی لوگوں پر ظاہر کر دیں) کہ کون سے لوگ (واقعی) مومن ہیں اور کون سے ایسے ہیں جن کے دلوں میں نفاق ہے۔ (اس دن) منافقوں سے کہا گیا کہ آؤ اللہ کی راہ میں لڑو یا کم سے کم (دشمنوں کی) مدافعت ہی کرو، (یہ سنکر) کہنے لگے کہ اگر ہم سمجھتے کہ آج لڑائی ہوگی تو ہم ضرور تمہارے ساتھ چلتے۔ یہ لوگ اس وقت ایمان کی بہ نسبت کفر سے زیادہ اقرب تھے۔ اپنے منہ سے ایسی بات کہہ رہے تھے جو ان کے دلوں میں نہیں تھی۔ اور اللہ تعالےٰ ان کے راز (دروں) کو خوب جانتا ہے۔ (یہی وہ لوگ ہیں) جو خود بیٹھے رہے اور میدانِ جنگ میں شہید ہو جانے والوں کی نسبت کہتے رہے کہ اگر وہ ہمارا کہا مانتے تو قتل نہ ہوتے۔" (آلِ عمران)

یہ تھی نفاق کی خباثت اور اس کی جبلہ جوئی۔ دشمن صدہا میل سے طے کر کے اپنی پوری قوت سے میدانِ جنگ میں خیمہ ڈالے پڑا ہے اور ادھر سے جواب دیا جاتا ہے کہ لڑائی بھڑائی تو ہونے کی نہیں۔ اور جب اللہ کے مخلص جاں نثار اپنا فرض ادا کر کے شہید ہو گئے تو ہمدردانہ فرمایا جاتا ہے کہ اگر ہماری تدبیر عمل کرتے تو کیوں دنیا کی لذتوں سے ہاتھ دھوتے۔ گویا خود تو خود دوسرے انسانوں کے متعلق بھی یہ بندگانِ نفس یہ تصور کرنے سے قاصر تھے کہ آیا حق و ایمان کی اتنی قیمت بھی ادا کی جا سکتی ہے کہ اس پر اس دنیائے دنی کو قربان کر دیا جائے۔

جب سچے مسلمان بے سروسامانی کے عالم میں، دشمن کی کثرت اور اپنی قلتِ تعداد کا لحاظ کیے بغیر، رسول کی دعوتِ جہاد پر آن حاضر ہوتے تو یہی منافق ان پر آوازے کستے کہ "انہیں ان کے

دین نے دھوکے میں ڈال دیا ہے" (انفال ۔ ۷) ان پر عقیدت کا جن سوار ہے یہ مذہبی مجنون ہیں جو کچھ نہیں دیکھتے کہ انجام کیا ہوگا۔ ان کے خیال میں اگر کوئی راہ اختیار کرنے کی ہے تو صرف اس لیے کہ وہ مادی منفعت بخش سکے، اور اگر کوئی راہ چھوڑ دینے کی ہے تو محض اس لیے کہ اس میں جان و مال کا زیاں ہے۔ اسی ذہنیت کی دوسری تصویر ملاحظہ ہو:۔

"اور تم میں ایسے لوگ بھی ہیں جو میدان جہاد سے پیچھے رہنے کی ٹھان کر بیٹھتے ہیں۔ اگر تم کسی مصیبت میں پھنس گئے تو کہنے لگے کہ خدا نے مجھ پر بڑا ہی فضل و احسان کیا کہ میں ان (مسلمانوں) کے ہمراہ نہ تھا ورنہ میں بھی پس گیا ہوتا) اور اگر (میدانِ جنگ میں) تمہیں خدا کی طرف سے کوئی فضل حاصل ہوا تو (ان کا دل جل گیا) کہنے لگے ۔۔۔ اس طرح کہ گویا تمہارے اور ان کے درمیان کبھی کوئی دوستی تھی ہی نہیں ۔۔۔ کہ اے کاش میں بھی ان (مسلمانوں) کے ساتھ ہوتا تو میں بھی بڑی کامیابی حاصل کرتا (اور مجھے بھی مال غنیمت ملتا)۔" (نساء ۔ ۱۰)

جیسا کہ تمثیل بالا میں ذکر ہو چکا ہے، یہ ابن الوقت اس وقت تو سراپا ایمان بن جاتے جب احکام ہلکے اور بے ضرر ہوتے اور ہاتھ سے کچھ کھونے کے بجائے کچھ حاصل ہونے کی توقع ہوتی لیکن جہاں سخت احکام آتے اور ان کے دنیوی مفاد کو خطرہ لاحق ہوتا تو صاف کترا جاتے۔ ان کو اس سے بحث نہیں تھی کہ اللہ کی راہ میں لڑنے والا برسر حق ہے یا طاغوت کی راہ میں لڑنے والا۔ انہیں اس امر کا احساس تک نہ تھا کہ ظلم اور فساد کی بیخ کنی کرنا اور ارض الٰہی میں عدل و صلاح کی تخم ریزی کرنا بھی کوئی انسانی فریضہ ہے۔ وہ معاملات کو اس نقطۂ نظر سے دیکھتے ہی نہ تھے۔ ان کی شریعت کا فتویٰ یہ تھا کہ لڑائی اس حیثیت سے تم پر فرض ہے کہ اس میں مال غنیمت ہاتھ آتا ہے لیکن اس پہلو سے قطعاً حرام ہے کہ اس میں جان دینی پڑتی ہے۔ یہی بات مذکورۂ بالا آیات میں بیان ہوئی ہے اور اسی کی مزید وضاحت کرتے ہوئے ایک جگہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ:

"اگر فوری فائدہ ہوتا اور سفر بھی (دشوار اور صبر آزما ہونے کی بجائے) متوسط قسم کا ہوتا تو یہ منافق ضرور تمہارا ساتھ دیتے۔ لیکن اس وقت (غزوہ تبوک کے وقت) مسافت انھیں بہت دور معلوم ہوئی (اس لیے وہ چپ سادھ کر بیٹھ رہے) اور (جب تم لوٹنے کے بعد اس تخلف کی وجہ پوچھوگے تو) قسمیں کھا کھا کر کہیں گے کہ اگر ہمارے لیے ممکن ہوتا اور ہم مجبور نہ ہوتے تو ضرور تمہارے ساتھ نکل کھڑے ہوتے۔" (توبہ - ۶)

مسلمانوں کے ساتھ اور احکام قرآنی کے ساتھ ان کا یہ برتاؤ تھا۔ اب تصویر کا دوسرا رخ دیکھیے کہ اعدائے اسلام کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا تھی:-

بَشِّرِ الْمُنَافِقِيْنَ بِاَنَّ لَهُمْ عَذَابًا اَلِيْمَا اِلَّذِيْنَ يَتَّخِذُوْنَ الْكَافِرِيْنَ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِيْنَ اَيَبْتَغُوْنَ عِنْدَ هُمُ الْعِزَّةَ.... (نساء - ۲۰)

اے پیغمبر ان منافقوں کو بشارت دے دو کہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ لوگ مسلمانوں کو چھوڑ کر کافروں کو دوست بناتے ہیں۔ کیا یہ کافروں کے ہاں عزت کے طالب ہیں؟

دوسری جگہ کہا ہے کہ مومن کی شان یہ نہیں ہے کہ یہود و نصاریٰ وغیرہ معاندین حق سے کسی طرح کا ربط و ضبط رکھے لیکن یہ منافق کیا کرتے ہیں:

فَتَرَى الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَرَضٌ يُسَارِعُوْنَ فِيْهِمْ۔ (مائدہ - ۸)

سو تم دیکھتے ہو کہ یہ لوگ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے، کفار کے ہاں بڑی آمد و رفت رکھتے ہیں۔

نیز:-

.... قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ الْاَمْرِ (محمد - ۳)

جو لوگ خدا کے نازل کیے ہوئے قرآن کو ناپسند کرتے ہیں (مثلاً یہود) یہ منافق ان سے کہتے ہیں کہ بعض باتوں میں ہم تمہارا ہی کہا مانیں گے۔

اس منافقانہ سازش کی تشریح ذیل کے الفاظ میں ہے :-

.... يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا وَّاِنْ قُوْتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ (حشر - ۲)

یہ منافق اپنے بھائیوں یعنی کفار اہل کتاب سے کہتے ہیں کہ اگر تم (مسلمانوں کے ہاتھوں اپنے وطن سے) نکالے جاؤ گے تو ہم بھی تمہارے ساتھ نکل چلیں گے اور تمہارے بارے میں کسی کا کہنا نہ مانیں گے۔ اور اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم (مسلمانوں کے خلاف) تمہاری مدد کریں گے۔

لیکن کیا جو اپنے شہوات نفس کی غلامی میں اسیر ہو کر مسلمانوں کے ساتھ نہ لڑ سکتا تھا کہ مبادا جان عزیز کے لالے پڑ جائیں وہ غیر مسلموں کے لیے اتنا وفادار اور ایثار پیشہ ہو سکتا تھا کہ ان کی خاطر گھر بار چھوڑنے اور سر بکف میدان جنگ میں اتر آنے پر تیار ہو جائے؟ قرآن ان کے ان دعاوی کو نقل کر کے فوراً ہی حقیقت سے پردہ اٹھاتا ہے کہ:

"اللہ گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹے ہیں۔ اگر اہل کتاب جلاوطن کیے گئے تو یہ ہرگز ان کے ساتھ نہ نکلیں گے اور اگر ان سے مسلمانوں نے جنگ کی تو کبھی بھی یہ جھوٹے مدعی ان کی اعانت نہ کرینگے اور (بالفرض) اگر مدد کے لیے آئینگے بھی تو (جم کر لڑ نہ سکیں گے اور موت کی صورت دیکھکر) بھاگ کھڑے ہونگے"

غرض جو سلوک ان کا اہل ایمان کے ساتھ تھا بعینہ وہی اہل کفر کے ساتھ بھی تھا۔ یہ دراصل اپنے نفس کے دوست تھے اور اسکی خاطر مسلم و کافر دونوں کو خوش رکھنا چاہتے تھے تاکہ موقع پر ہر ایک سے حق دوستی حاصل کریں اور جب کچھ نقصان اٹھانے کا موقع ہو تو اس سے محفوظ رہیں۔ یہی دورنگی کا کمال ہے جس میں جہاں تک ان کی تدبیروں کا بس چلتا، کوئی کسر نہ اٹھا رکھتے۔ ان کی پالیسی کا خلاصہ قرآن کے چند مختصر لفظوں میں یہ تھا کہ:

"یہ منافق تمہارے انجام کا انتظار کرتے رہتے ہیں اگر تم (مسلمان) بحکم خداوندی جیت گئے تو تم سے کہنے لگتے ہیں کہ کیا ہم تمہارے ساتھ نہیں تھے (لاؤ ہمیں بھی مال غنیمت دو)۔ اور اگر کافروں کو فتح نصیب ہوئی تو اُن سے کہتے ہیں کہ کیا ہم تم پر غالب نہیں ہو گئے تھے اور تم کو مسلمانوں کے ہاتھ سے نہیں بچایا؟ (بس جو کچھ لڑائی میں ملا ہے ہمارا حصہ بھی لگاؤ) (نساء - ۲۰)

اور اس سے بھی زیادہ جامع و مانع ان کی تعریف یہ تھی:

مُّذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ وَلَآ اِلٰى هٰٓؤُلَآءِ ۔ (نساء - ۲۱)

کفر اور ایمان کے بیچ میں پڑے لٹک رہے ہیں نہ مسلمانوں کی طرف ہیں نہ کافروں کی طرف۔

اور اپنی اسی مذبذب پالیسی کو وہ صلح کل کی پالیسی قرار دے کر دعوی کرتے تھے کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ (ہم تو سراپا اصلاح ہیں)۔ اس دورخی پالیسی کا نباہنا ان کی طلاقت لسانی پر موقوف تھا سو قرآن کہتا ہے وہ اس فن کے بڑے ماہر تھے:

"اور بعض لوگ ایسے بھی ہیں جنکی باتیں تمہیں اس وقت دنیا کی زندگی میں بڑی ہی بھلی معلوم ہوتی ہیں اور وہ خدا کو گواہ ٹھیرا کر اپنی مخلصانہ اطاعت کا یقین دلایا کرتے ہیں، حالانکہ وہ نہایت ہی جھگڑالو اور بڑے ہی فتنہ پرداز ہیں۔ اور جب تمہارے پاس سے اٹھکر جاتے ہیں تو اپنی سرگرمیاں زمین میں فساد پھیلانے کے لیے وقف کر دیتے ہیں...... اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو (اور واقعی اطاعت شعار ہو جاؤ) تو جھوٹی عزت کا خیال دامن گیر ہو کر انہیں مجبور کرتا ہے کہ غلطی پر اصرار کریں (بقرہ - ۲۵)

دوسری جگہ ہے:

"اور جب تم انہیں دیکھتے ہو تو ان کے اجسام تمہاری نگاہوں میں کھُب جاتے ہیں (یعنی نہایت مہذب اور شریف معلوم ہوتے ہیں) اور اگر وہ تم سے بات کریں تو بس ان کی باتیں سنتے ہی رہو

(کیونکہ ان کی چرب زبانی مجبوراً لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے) (منافقین۔۱)
لیکن اللہ تعالیٰ نے جس طرح ان کے اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ کے دعوے کو یہ کہکر جھٹلا دیا تھا کہ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ (یعنی جان رکھو حقیقی مفسد یہی لوگ ہیں) کیونکہ مطلب پرستی اور اتباع شہوات ہی تو فتنوں کی ماں ہے، اور یہ لوگ اسی کنہ کو سمجھنے سے قاصر تھے، اسی طرح یہاں بھی (مذکورۂ بالا سورۂ بقرہ والی آیت کے بعد ہی) مطالبہ کیا کہ اگر تم واقعی مومن ہو، جیسا کہ تمہارا دعویٰ ہے، تو قانون اسلامی کے مکمل تابع ہو جاؤ (اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّةً) اور یہ دورنگی چھوڑ دو۔ خدا کو ان بلند بانگ دعوؤں اور زبانی شین قاف کی مطلق ضرورت نہیں، اس کے نزدیک تو یہی فساد کا منبع ہے۔ چنانچہ اسی فلسفۂ اصلاح و فساد کے بارے میں منافقوں کی غلط فہمیوں کو دور کرتے ہوئے فرمایا جاتا ہے کہ:

"پھر جب کوئی محکم سورۃ نازل ہوتی ہے جس میں جہاد کا حکم مذکور ہوتا ہے تو تم دیکھتے ہو کہ جن کے دلوں میں نفاق کا مرض ہے وہ تمہاری طرف ایسی دہشت زدہ اور ہراساں نگاہوں سے دیکھ رہے ہوتے ہیں جیسے کہ کسی پر موت کی غشی طاری ہو (اور اس کی آنکھیں خوف و دہشت برسا رہی ہوں) ..... تو اے منافقو! تم سے کچھ بعید ہے کہ اگر تم جہاد سے پیٹھ پھیر کر بیٹھ رہے تو بھی ملک میں فساد برپا کرتے رہو اور خود غرضیوں کی بنا پر باہم لڑ کر اپنے رحمی تعلقات کی دھجیاں اُڑاتے رہو" (محمدؐ۔۳)

یہاں بھی وہی بات کہی گئی ہے جو سورۂ بقرہ میں ان کے دعوائے اصلاح کے جواب میں کہی گئی تھی کہ یہ نادان جہاد کو تو، جو مصالح تمدن کا حقیقی محافظ اور امن و عدل کا سرچشمہ ہے، افساد قرار دیتے ہیں اور اپنی دورنگی پالیسی کو موجب امن و آشتی کہتے ہیں حالانکہ حقیقی افساد تو وہی خود غرضی اور مطلب پرستی ہے جو ان کی روحوں پر چھائی ہوئی ہے۔ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰکِنْ لَّا یَشْعُرُوْنَ

یہی دو رنگی تھی جس کو ترک کرنے کا قرآن ان سے بار بار مطالبہ کرتا تھا لیکن جس بت کو اپنے سینوں میں چھپائے تھے اس کی عقیدت کیونکر یہ اجازت دے سکتی تھی کہ کھلے دل سے رسول کی اطاعت کاملہ کا عملاً اقرار کریں۔ زبانی دعووں کے بعد جب احکامِ الٰہی کی عملی اطاعت کی نوبت آتی اور میزانِ جہاد میں دین و دنیا کی متاعیں تلنے لگتیں تو آپ نے دیکھا کہ کس طرح وہ لپک کر دنیا کو اپنے سینے سے چمٹا لیتے۔ اور جہاد ہی پر کیا موقوف تھا نفع و نقصان کے ہر موقع پر ان کا شیوہ یہی تھا۔ ادعا تو قرآن کی پیروی اور خدا کی عبدیت کا تھا لیکن جب احکام کا معاملہ ہوتا تو دفعتہً یہ رشتۂ ایمانی تارِ عنکبوت کی طرح پرزے پرزے ہو کر اڑ جاتا۔ چنانچہ قرآن ان کے اس اصولِ مسلمہ کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے کہ:

"اے مسلمانو! کیا تم ان منافقوں کو نہیں دیکھتے جن کا خیال ہے (یعنی جو زبان سے کہا کرتے ہیں) کہ وہ قرآن پر اور پچھلی آسمانی کتابوں پر ایمان رکھتے ہیں (لیکن) چاہتے ہیں کہ اپنے معاملات کا فیصلہ طاغوت سے کرائیں حالانکہ خدا کا حکم یہ ہے کہ وہ اس (طاغوت) کی اطاعت کا کلی انکار کر دیں۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کے نازل کردہ قانون اور رسول کی طرف رجوع کرو (کہ وہیں سے معاملات کا تصفیہ کرایا جائے) تو تم ان منافقوں کو دیکھتے ہو کہ تمہارے پاس آنے سے بھی رک جاتے ہیں (کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ اگر ہم گئے اور زبردستی قانونِ الٰہی کے مطابق فیصلہ کر دیا گیا تو ہم گھاٹے میں رہیں گے)" (نساء - ۹)

دوسری جگہ اور زیادہ صاف لفظوں میں فرمایا گیا ہے کہ:

"اور جب ان منافقین کو دعوت دی جاتی ہے اللہ اور اس کے رسول کی طرف تاکہ رسول ان کے درمیان فیصلہ کرے تو ان میں سے ایک فریق راہِ فرار اختیار کرتا ہے (جب کہ مقدمہ کا فیصلہ اس کے خلاف پڑنے کا احتمال ہو) البتہ اگر حق ان کی طرف ہو (یعنی فیصلہ ان کے حق

میں اور ان کے حسب منشا ہو) تو سر کے بل دوڑتے ہوئے آتے ہیں"۔ (نور - ۶)

نہ صرف احکام کی پیروی سے بھاگتے تھے بلکہ:

"جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ (رسول اللہ کی طرف چلیں) تاکہ وہ تمہارے حق میں دعائے مغفرت کریں تو (سنتے ہی نہایت معنی خیز انداز میں) اپنے سر پھیر لیتے ہیں ......" (منافقون ۱)

اور اس کی وجہ بالکل عیاں ہے۔ مغفرت و عدم مغفرت کے فلسفہ سے انہیں کیا لگاؤ تھا جس کا دین سونے چاندی کا سکہ اور جس کی شریعت خود غرضی ہو وہ اس امر پر غور ہی کیوں کرنے لگا کہ اس دنیوی فلاح و نجات کے ماسوا بھی کوئی شے ہے جس کے حصول کی تمنا کی جائے۔ یہ گردن پھیر لینا دراصل اسی حقیقت کا ایک مظہر ہے جس کو یہ منافق اپنے شیاطین سے یہ کہکر ظاہر کیا کرتے تھے کہ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ (ہم تو مذاق کرتے اور ان مسلمانوں کو بیوقوف بناتے ہیں)۔

چونکہ اس قسم کے منافق بڑی تعداد میں موجود تھے اس لیے قرآن نے ان کے حالات بھی پوری تفصیل سے بیان کیے ہیں۔ اب اپنے گرد و پیش نظر ڈالیے اور دیکھیے کہ اس وقت بھی یہ روح نفاق کسی قالب میں موجود ہے یا نہیں؟ اس کا صحیح اندازہ لگانے کے لیے آپ کو اپنے "قومی" اخبارات کے دفتروں، اپنی سیاسی انجمنوں، اپنے "ملی" زعماء کے خلوت خانوں اور صاحب بہادر کے شاہی ایوانوں کا جائزہ لینا چاہیے۔ وہاں آپ کو نظر آئے گا کہ رسول کی کامل اطاعت کو مذہبی جنون کہکر اس کا کس طرح خاکہ اڑایا جاتا ہے۔ چند ٹکوں کے عوض مساجد کی حرمتیں کس طرح بیچ دی جاتی ہیں۔ مسلمانوں کے روبرو اپنی اسلامیت کا کیسا دلیرانہ اعلان کیا جاتا ہے لیکن مہاتماؤں، لالوں اور رائے بہادروں کی جناب میں کس دھڑلے سے اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ کا یقین دلایا جاتا ہے۔ اگر مسلمانوں کا مجمع ہو تو فرمایا جاتا ہے کہ میں سب سے پہلے مسلمان ہوں پھر سب کچھ۔ لیکن جب غیر مسلموں کے ہاں بیٹھی ہوتی ہے تو اسی زبان اور اسی حلق سے صدا بلند ہوتی ہے کہ میں پہلے ہندوستانی ہوں پھر مسلمان۔ غریب مسلمان کا

سلام قبول کرنا تو باعث ننگ ہے لیکن اعدائے حق سے موالات رکھنا باعث صد افتخار سمجھا جاتا ہے۔ خدا کہتا ہے کہ عزت صرف میرے حضور میں ملتی ہے مگر یہ منافق کافروں کے ہاں عزت تلاش کرنے جاتے ہیں۔ آنکھیں کھول کر دیکھیے کہ آج کیا ہو رہا ہے۔ کیا یہ ممکن ہے کہ پیشانی پر آستانِ فرنگ کا نشان سجدہ لگائے بغیر کوئی "باعزت" کہلا سکے؟ آخر یہ وائسرائے بہادر سے ہاتھ ملانے کی تمنا میں عمریں بسر کر دینے والا "مسلمان" کس سنت پر عمل کر رہا ہے؟ اس کے قلب میں وہ کونسی چیز ہے جو خدا کی باغی حکومت کو جنگ کا خطرہ پیش آنے پر اس سے اعلان کراتی ہے کہ لَئِنْ قُوتِلْتُمْ لَنَنْصُرَنَّكُمْ[1] وہ کیا چیز ہے جو مسلمان کو گاندھی اور جواہر لال اور بوس کے آستانوں پر کشاں کشاں لے جاتی ہے اور جب ہندو اخبارات سے اس کو قوم پرستی کا سرٹیفکیٹ ملتا ہے تو وہ پھولا نہیں سماتا؟ پھر وہ مسلمان کس قرآن پر ایمان رکھتا ہے جو دن رات قال اللہ وقال الرسول کے ورد میں منہمک ہے لیکن جب کہا جاتا ہے کہ آؤ اس ظالمانہ اور غیر اسلامی نظام حکومت کو الٹ پھینکو تو پوری متانت اور تقدس مآبی کے ساتھ فرما دیتا ہے کہ لَوْ نَعْلَمُ قِتَالًا لَّاتَّبَعْنَاكُمْ[2] جب سود کی حلت کا فتویٰ پوچھا جاتا ہے تو ارشاد ہوتا ہے کہ بالکل جائز ہے۔ کیوں؟ اس لیے کہ ہندوستان دار الحرب ہے۔ لیکن اگر کوئی اللہ کا بندہ مطالبہ کر بیٹھے کہ آؤ اسے دار الاسلام بنائیں تو کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی جاتی ہیں اور بنی الاسلام علی خمس کی حدیث پڑھ کر اسی ہندوستان کو دار الاسلام یا کم از کم دار الامن ثابت کر دیا جاتا ہے۔ احکامِ الٰہی کی پیروی کا یہ حال ہے کہ اگر اپنا فائدہ ہو تب تو قرآن و سنت ہی سب کچھ ہے لیکن اگر اپنا نقصان ہو تو طاغوتی عدالتوں کا دروازہ کھٹکھٹایا جاتا ہے۔ اسلامی قانون وراثت اس لحاظ سے تو نہایت موزوں اور عادلانہ ہے کہ اس کے ماتحت "بیاہی گھر آئی" لڑکی مال و جائداد حاصل کرے گی، لیکن اس لحاظ

---

[1] اگر تم سے جنگ کی گئی تو ہم ضرور تمہاری مدد کریں گے۔

[2] اگر ہمیں معلوم ہوتا کہ واقعی لڑائی ہو گی تو ہم تمہارا ساتھ ضرور دیتے۔

سے قطعاً غیر موزوں، نامناسب اور ناقابلِ عمل ہے کہ اپنا جمع کیا ہوا مال و اسباب لڑکیاں پرائے گھر لے کر چلی جائیں گی۔ غرض جدھر دیکھیے کُلَّمَآ اَضَآءَ لَهُمْ مَّشَوْا فِيْهِ وَاِذَآ اَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوْا کا سماں پیش نظر ہے۔ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ اور رَاَيْتَ الْمُنٰفِقِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْكَ صُدُوْدًا کی قدیم سنت دہرائی جارہی ہے۔ يُعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کی کمین گاہیں موجود ہیں اور ان کے آڑ سے خود غرضیوں اور نفس پرستیوں کے خوفناک بھیڑیے نکل نکل کر پیکرِ ملت کا خون چوس رہے ہیں۔ اور جب کہا جاتا ہے کہ خدا سے ڈرو اور آنے والی زندگی کا کچھ بھی تو خیال کرو تو معاً گردنیں اکڑ کر پھر جاتی ہیں اور اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ کا جاہلی نشہ ایک ایک رونگٹے پر چھا جاتا ہے۔

مسلمانوں کے حقوق سے فائدہ اٹھانیوالے (۶) جب مدینہ میں اسلام کو کچھ طاقت اور ثبات حاصل ہو چلا اور غزوات سے مال غنیمت بکثرت آنے لگا تو منافقوں کا ایک گروہ ایسا بھی پیدا ہو گیا جو مسلمانوں کے حقوق میں اپنا حصہ لگانے کی غرض سے اظہار اسلام کیا کرتا تھا۔ یہ لوگ بھی اپنے دوسرے ہم مشربوں کی طرح جہاد کی دعوت پر کنّی کاٹ جایا کرتے تھے۔ بلکہ حد سے زیادہ بزدل اور دشمن کا نام سن کر کانپ جایا کرتے تھے۔ اس سے پہلے جس گروہ کا ذکر تھا وہ اپنی دورخی پالیسی کی وجہ سے لڑائی کے موقع پر زیادہ ہراساں نہیں ہوا کرتا تھا۔ لیکن ان کا معاملہ ہی دوسرا تھا جسکی تفصیل قرآن ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

ؔ ان پر بجلی چمکتی ہے تو اسکی روشنی میں چند قدم چل لیتے ہیں اور جب تاریکی چھاتی ہے تو کھڑے ہو جاتے ہیں۔

ؔ یہ لوگ (ادعائے ایمان کے باوجود) چاہتے ہیں کہ معاملہ کا فیصلہ خدا کی بجائے طاغوت سے کرایا جائے۔

ؔ تم دیکھتے ہو کہ (نقصان کے اندیشہ سے) یہ منافق تمہاری عدالت میں آنے سے رکتے ہیں۔ ؔ دنیا کی زندگی میں انکی باتیں تمہارے لیے بہت ہی جاذب توجہ ہیں۔ ؔ جھوٹی عزت کا خیال اسے گناہ پر اصرار کرنے کے لیے مجبور کرتا ہے۔

"اللہ تعالیٰ تم میں سے ان منافقوں کو خوب جانتا ہے جو لوگوں کو لڑائی میں جانے سے روکتے ہیں اور اپنے بھائی بندوں سے کہتے ہیں کہ (لڑائی کے میدان میں کہاں جان دینے جاتے ہو) ہماری طرف آؤ۔ اور وہ (خود بھی) لڑائی میں نہیں جاتے مگر تھوڑی دیر کے لیے (تاکہ نام ہو جائے) اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ تمہارے معاملہ میں بڑے بخیل ہیں (اور تم سے یا تمہارے مقاصد سے ہمدردی نہیں رکھتے) اور جب خطرہ کا موقع آتا ہے تو تم انھیں دیکھتے ہو کہ تمہاری طرف وہ اس طرح شدت خوف سے ناچتی ہوئی نگاہوں سے دیکھتے ہیں جیسے کسی پر موت کی غشی طاری ہو۔ پھر جب خطرہ کی گھڑی ٹل جاتی ہے (کفار شکست کھاکر بھاگ جاتے اور مسلمان مال غنیمت لیکر فتحمندانہ واپس آتے ہیں) تو نہایت چرب زبانی کے ساتھ غنائم پر ٹوٹے پڑتے ہیں........ (باوجودیکہ لشکر اعدار محاصرہ اٹھاکر واپس جاچکا ہے لیکن اب تک یہ بزدل) یہی خیال کر رہے ہیں کہ دشمن کی فوجیں ابھی نہیں گئیں۔ اور اگر یہ فوجیں پھر آموجود ہوں تو (پھر ان پر وہی دہشت طاری ہونے لگے اور) تمنا کریں کہ اے کاش ہم (موقع جنگ سے دور) کہیں دیہات میں نکل جائیں اور وہیں سے بیٹھے بیٹھے تمہاری خبریں معلوم کیا کریں۔ (احزاب - ۲)

اس تفصیل کے اندر ان منافقین کی پوری تصویر موجود ہے۔ گو یہ گروہ، گروہ سابق کی طرح دو طرفہ فوائد حاصل کرنے کی قابلیت نہیں رکھتا تھا لیکن تھا یہ بھی دنیا ہی کا پرستار اور اسکا نصب العین بھی مال کا حصول ہی تھا۔ اسی غرض سے وہ مسلمانوں میں شامل تھا اور جب کبھی ایسا موقع آتا کہ ان کا دہانِ آز صدقات یا غنیمت کے دنیاروں سے نہ بھرتا تو بہتان تراشیوں پر اتر آتا چنانچہ قرآن کا ارشاد ہے:

"اور ان منافقین میں بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو صدقات کے بارے میں تم پر (ناانصافی

اور جانب داری کے) اشارے کرتے ہیں۔ پھر اگر ان میں سے حسب خواہش انہیں دیا جائے تو خوش
رہتے ہیں اور اگر ان کی خواہش کے بموجب حصہ نہ ملا تو بگڑ بیٹھتے ہیں" (توبہ - ۷)
اسی طرح جب مسلح دشمنوں کا سامنا ہوتا تو اپنی خلوت گاہوں میں جا چھپتے۔ اور جب لڑائی کی مشقیں محض غنائم لوٹنے تک ہی محدود رہتیں اس وقت یہ شیر بن کر گرجتے ہوئے گھروں سے نکل آتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے صاف حکم دیدیا کہ ایسے بے ایمانوں کو ہرگز ساتھ نہ لیجاؤ جو کل مصیبت کی گھڑیوں میں عافیت کے گوشوں کے اندر چھپے بیٹھے تھے اور اب ایمان کی تلوار بنے میدان جنگ کے لیے بے چین ہو رہے ہیں صرف اس توقع پر کہ اس وقت ہاتھ سے دینا کچھ نہیں ہے جو کچھ ہے لینا ہی ہے۔ چنانچہ سفر حدیبیہ سے پیچھے رہ جانے والے لوگوں کے متعلق غزوۂ خیبر کے قریب وحی الٰہی آتی ہے کہ:

"جو لوگ (سفر حدیبیہ سے) پیچھے رہ گئے تھے جب تم (خیبر کی) غنائم حاصل کرنے جاؤ گے تو وہ تم سے کہیں گے کہ ہمیں بھی اپنے ساتھ چلنے دو۔ اس سے ان کی خواہش یہ ہے کہ حکم الٰہی کو بدل دیں (یعنی خدا حکم صادر کر چکا ہے کہ جو لوگ سفر حدیبیہ میں تمہارے ساتھ نہیں گئے تھے وہ غنائم خیبر سے کوئی حصہ نہیں پا سکتے اور یہ لوگ جہاد کرنے کے بہانے سے ساتھ چلنا اور چلکر حصہ بٹانا چاہتے ہیں) سو اے پیغمبر ان سے صاف صاف کہہ دو کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چلنے پاؤ گے۔ اللہ کا یہ پہلے ہی سے فیصلہ ہے"

لیکن ظاہر ہے کہ یہ چیز ان کی فطرت پر کس قدر شاق تھی، وہ ایسے تر لقمہ کو منہ سے چھنتے ہوئے دیکھ کر بھلا کیونکر صبر کر سکتے تھے، چنانچہ قبل اس کے کہ عملاً یہ معاملہ درپیش ہو، اللہ عالم الغیب نے خود ہی کھول کر بتا دیا کہ اُس وقت یہ لوگ کیا کہیں گے:

فَسَيَقُولُونَ بَلْ تَحْسُدُونَنَا (فتح - ۲)

(یہ سن کر یہ منافق کہیں گے (خدا کا حکم تو خاک نہیں ہے) بلکہ تم لوگ ہم سے حسد رکھتے ہو (کہ غزوہ

میں جائینگے تو ہم بھی مال و زر حاصل کریں گے)

غور فرمایئے کہ گھوم پھر کر ہر بار ان کی نگاہ کس طرح اپنے اسی واحد نصب العین پر جا کر جمتی ہے۔ شکایت یہ نہیں ہے کہ تم ہمیں جہاد فی سبیل اللہ کے ثواب سے روک رہے ہو بلکہ یہ ہے کہ مال و متاع دنیا کی تحصیل سے مانع کیوں ہو رہے ہو۔ یقیناً بربنائے حسد ہی ایسا کر رہے ہو۔

ایسے منافقین کی آج اس دور میں بھی کوئی کمی نہیں ہے "حقوق مسلمین" کا شور مچانے والے مجاہدوں کو کھُرچ کر دیکھیے تو اندر سے کتنے ہی ایسے نکلیں گے جنکا ضمیر خود غرضیوں کی غلاظت سے اٹ رہا ہوگا۔ گھر کی چہار دیواریوں کے اندر کان لگا کر سنیئے تو اسلامی معتقدات، اسلامی نظریات، اسلامی شعائر، اور اسلامی عبادات کا مضحکہ اڑاتے نظر آئینگے۔ لیکن جیسے ہی قدم باہر نکلنے کو ہوا، اسلام کا نقاب اٹھا کر سر سے پیر تک اوڑھ لیا۔ کیوں؟ اس لیے کہ محض اسی طرح مسلمانوں کے نام سے حقوقِ ملازمت میں حصہ مل سکے گا اور اگر آج اس نقاب کو نوچ پھینکیں گے تو اسلام اور مسلمان کے نام پر جو "صدقہ" خداوندان فرنگ کی طرف سے ملتا ہے اس سے فائدہ اٹھانے کا موقع نہ رہیگا۔ پھر ملازمت ہی پر کیا حصر ہے سیاسیات اسلامی کی علمبرداری بلکہ اسلام کی دینی امامت تک اسی ترکیب سے حاصل کی جارہی ہے۔ چونکہ دنیا نے جاہ و منصب کے یہی معیار قائم کر رکھے ہیں یہ لوگ ان پر پورے اترنے کی سعی میں ہر دم کوشاں رہتے ہیں۔ اس لیے اغیار کے نزدیک یہی اسلام کے ترجمان اور نمائندے ہیں۔ اور انہیں کی ترجمانی کا یہ کرشمہ ہے کہ اسلامی مفاد اب دوسرا نام ہوگیا ہے مسلمانوں کے معاشی اور سیاسی حقوق کا۔ جب کوئی اسلام کا حقیقی اور دردمند مخلص ترجمان اس گرم بازاریِ نفاق کے خلاف آواز اٹھاتا ہے اور اسلام کی واقعی ضروریات کو سامنے لاتا ہے تو یہ لوگ اس پر کینہ توزی اور حسد پروری کا الزام لگا کر اس کی زباں بندی کردیتے ہیں بلکہ بعض اوقات قید و بند کی مصیبتوں میں مبتلا کردیتے ہیں، اور خود بدستور اسلام کے نام پر اپنی اغراض

کے لیے کام کرتے رہتے ہیں۔ مگر جب کبھی انھیں نام نہاد "حقوق" کے لیے تھوڑی بہت قربانیاں دینے کی ضرورت پیش آجاتی ہے تو آغاز سرما کے بادلوں کی طرح چھٹ جاتے ہیں اور دعائیں کرتے ہیں کہ کاش ہم اس وقت لندن کے ہوٹلوں میں ہوتے اور وہیں بیٹھے بیٹھے ہندوستانی آگ و خون کی ہولی کا نظارہ اخبار کے صفحات پر کیا کرتے۔

جھوٹی شہرت کے حریص (۷) بعض منافق ایسے بھی تھے جو مفت کی شہرت اور تعریف کے لالچ میں جمعیت اسلامی کی رکنیت کا اظہار کیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا ظہور غالباً اس وقت ہوا ہے جب اسلامی شوکت عرب کے افق سیاست پر غالب ہوتی جارہی تھی اور مسلمان اپنی جاں فروشیوں کی بدولت اپنی تاریخ میں شاندار اور معجز نما کارناموں کا اضافہ کرتے جارہے تھے۔ اُس وقت جس طرح بہتوں نے روپیہ پیسہ کے لالچ میں اپنے کو مسلمان ظاہر کرنے میں مصلحت دیکھی اسی طرح بعض نے پانچوں سواروں میں نام لکھانا اپنا مطمح نظر قرار دے لیا تھا۔ لیکن کسی طرح کی قربانی نہ دینا بہر حال ان کے یہاں بھی ایک طے شدہ چیز تھی۔ وہ محض دوسروں کا خون لگا کر ہی شہید بننا چاہتے تھے جیسا کہ قرآن کی یہ وعید قاہرہ بتلا رہی ہے:

لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ يَفْرَحُوْنَ بِمَآ اَتَوْا وَّيُحِبُّوْنَ اَنْ يُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ يَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّهُمْ بِمَفَازَةٍ مِّنَ الْعَذَابِ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ

اور جو لوگ اپنے کیے پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو (نیکی اور اسلام کے) کام انھوں نے نہیں کیے ان پر ان کی تعریف ہو، ایسے لوگوں کے بارے میں تم ہرگز یہ مت خیال کرنا کہ وہ عذاب کی زد سے باہر ہیں۔ بلکہ ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

"ان سابقین اولین" کے متبعین سے آج بھی ہماری جماعت خالی نہیں ہے۔ خصوصاً ہمارے سیاسی پلیٹ فارم پر تو جھوٹی شہرت کے ایسے دلدادوں کی کسی طرح کمی نہیں۔ پھولوں کے ہار اور

زندہ باد کے نعروں کی چاٹ نے لیڈروں کا ایک لشکر تیار کر دیا ہے جو قومی اجتماعوں میں اسلام اور قرآن کا نعرہ اتنے زور سے لگاتے ہیں کہ پوری قوم کا نہاں خانۂ عقیدت اس کے شور سے گونج اٹھتا ہے لیکن جس وقت زندہ باد کے نعروں کے بجائے دشمنانِ اسلام کی قہر آلود اور خشمگیں صدائیں کانوں میں آنے لگتی ہیں تو یہ ضیغمانِ ملت گھر کی سب سے محفوظ کوٹھریوں میں جا گھستے ہیں۔ پھر جب عامۂ مسلمین کی پامردیوں کے طفیل میدان کا کوئی گوشہ فتح ہوتا ہے تو پھر یہ لوگ اپنے پرانے جلالی روپ میں نمایاں ہوتے ہیں اور مختلف حیلوں سے یہ کوشش کرتے ہیں کہ اس فتح کا سہرا ہمارے ہی سر بندھے، اور ہر زبان ہمیں مجاہدِ قوم اور شہیدِ ملت کے مقدس ناموں سے یاد کرے۔

(باقی)

تنقیحات

تالیف سید ابوالاعلیٰ مودودی

یہ مولف کے ان مضامین کا مجموعہ ہے جن میں اسلام اور مغربی تہذیب کے تصادم، اور اس سے پیدا شدہ مسائل پر تنقیدی اور تعمیری دونوں حیثیتوں سے بحث کی گئی ہے۔ مسلمانوں کی زندگی پر جن پہلوؤں سے مغربی تہذیب، تمدن اور مغربی تعلیم نے اثر ڈالا ہے قریب قریب ان سب پر ان مضامین میں روشنی ڈالی گئی ہے اور ان الجھنوں کو صاف کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو مغرب سے مرعوب اور اسلام سے ناواقف ہونے کی بدولت عموماً مسلمانوں کے ذہن میں پیدا ہو گئی ہیں۔

ضخامت ۳۰۴ صفحات قیمت ۱۲/ر - مجلد عہ

دفتر ترجمان القرآن ملتان روڈ - لاہور